بحث ونظر

مولانا محمد عیسیٰ منصوری
چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم (لندن، یو۔کے)

دینی مدارس اور عصری تقاضے

برصغیر کے دینی مدارس اور جامعات میں صدیوں سے جو نصاب تعلیم پڑھایا جارہا ہے وہ درس نظامی کہلاتا ہے یہ دراصل اسلم دور کا عصری و درباری نصاب تعلیم تھا۔ اس وقت تعلیم میں دینی و دنیوی کی تفریق و دوئی نہیں تھی۔ یہ نصاب تعلیم اس دور کی عصری و درباری ضرورتوں کی بھی پورا کرتا تھا۔ اور دینی ضرورتوں کو بھی ۱۸۵۷ء کے غدر یا انقلاب کے بعد سرکاری درسگاہوں میں اس کی جگہ انگریز نے اپنی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر نیا نصاب تعلیم رواج دیا جس کا بنیادی مقصد انگریز کے لئے وفادار کلرک و نوکر پیدا کرنا تھا۔ علماء کی ایک بڑی تعداد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کام آئی باقی ماندہ علماء کی ایک کھیپ کالے پانی اور جیلوں میں ڈال دی گئی۔ انگریز برصغیر کو عیسائی مملکت بنانے کا عزم لیکر آیا تھا ابتداء میں ہر داڑھی والے اور اونچے پاجامے والے کو قتل کیا گیا دینی مدارس بند کردئے گئے۔ ان مدارس کو مسلم حکمرانوں کی عطا کردہ زمینیں و جائدادیں ضبط کرلی گئیں۔ ۱۸۷۷ء میں شاملی (ضلع مظفر نگر) کے میدان میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جہاد بالسیف بھی کیا۔ حافظ ضامنؒ سمیت بہت سے علماء نے جام شہادت نوش فرمایا۔ شاملی کے بعد علماء کی بصیرت نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ اسلحی میدان میں انگریز صدیوں آگے نکل چکا ہے اسلئے اس میدان میں مقابلے سے مزید نقصان بڑھے گا۔ اب علماء کا یہ گروہ احرار برصغیر میں اسلام کے تحفظ کے لئے نئے محاذ و میدان کی تلاش میں جُٹ گیا۔ دارالعلوم دیوبند اس نئے لائحہ عمل کا سب سے نمایاں عنوان بن گیا۔ اس کے بانی حجۃ السلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ جملہ زبان زد عام ہیں ''فقیر نے اپنے مشن پر علم کا نقاب ڈال دیا ہے'' حضرت شیخ الہندؒ نے مدرسہ کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا! حضرت استاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس و تعلیم کے لئے قائم کیا تھا مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ اسلئے قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے ذریعہ سے لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جاسکے (اسلام و مغربیت کی کشمکش)

حالات کے شدید دباؤ کے تحت ان مدارس کی حکمت عمل دفاعی تھی حقیقت یہی ہے کہ دیوبند ہو یا علی گڑھ دونوں کا نصاب تعلیم اس وقت کے مخصوص حالات اور پس منظر اور دور غلامی کے تقاضوں کا عکاس تھا ان حالات میں

اس سے بہتر ممکن بھی نہ تھا دونوں کی بنیاد خوف اور تحفظات پر تھی سرسید کو یہ خوف لاحق تھا کہ عصری تعلیم اور انگریزی سے بے اعتنائی برتی گئی تو مسلمان سرکاری ملازمتوں میں تجارت وصنعت اور قومی زندگی کے دوڑ میں برادرانِ وطن سے پچھڑ جائینگے اور علماء کو یہ اندیشہ وخوف تھا کہ کہیں برِصغیر دوسرا اسپین نہ بن جائے کہ کوئی مسئلہ بتانے والا فتویٰ دینے والا اور رہنمائی کرنے والا ملے یہ واقعہ ہے کہ برِصغیر میں جس قدر بھی اسلام سے وابستگی اور دینی امور کے چرچے ہیں وہ انہی بزرگوں کی حکمتِ عملی کا صدقہ طفیل ہے ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد حالات ضروریات اور تقاضے تبدیل ہوگئے تھے اس وقت علی گڑھ اور دیوبند دونوں کے نصاب ہائے تعلیم میں اجتہادی تبدیلیوں بلکہ انقلاب کی ضرورت تھی اب نئی ضروریات اور جدید تقاضوں کے مطابق ازسرِنو نصابِ تعلیم مرتب کیا جانا چاہئے تھا جو دنیا کی جدید معیشت معاشرت ،سیاست وحالات کے درپیش مسائل میں علمی وفکری وعملی رہنمائی کرتا اور جدید علمی وفکری چیلنجز کے مقابلہ کے لئے نئی نسل کو تیار کرتا علماء کو برِصغیر کے تینوں حصوں میں قائدانہ وموثر رول وکردار ادا کرنے کے قابل بناتا تاکہ جدید حالات میں طلباء مدارس کی چہار دیواری سے نکلنے کے بعد جن حالات سے دوچار ہوں وہ انکے لئے نامانوس واجنبی نہ ہوں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوں اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ مدرسہ کی اس چہار دیواری میں گزار آئے ہیں جس کا باہر کی دنیا سے کوئی رشتہ نہ تھا بلکہ وہ دورِ حاضر کے علمی وفکری ونظریاتی چیلنجوں کا آج کی زبان اور عصری اسلوب ودلائل میں مسکت جواب دینے کی پوزیشن میں ہوں اور اسلام کا پیغامِ انسانیت مؤثر طور پر پہنچا سکیں۔

ہمارے نصابِ تعلیم کا ایک حصہ یعنی قرآن وسنت کی حد تک ہر دور کے لئے ہے اور ناقابلِ تغیر ہے اس کے علاوہ نصاب ونظامِ تعلیم کا پورا ڈھانچہ ہر دور کی تغیر پزیر قدروں اور تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوگا نصابِ تعلیم بدلتے ہوئے حالات میں محض قدیم علوم وفنون کا میوزیم یا آثارِ قدیمہ بن کر نہیں رہ سکتا چنانچہ حضرت امام مالکؒ ابنِ شہاب زہریؒ سے لیکر شاہ ولی اللہؒ مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا محمد علی مونگیریؒ تک اصل روح ہر جگہ برقرار ملے گی وہ ہے دین کا تحفظ اور عصری مزاج وتقاضوں کی روشنی میں اشاعتِ اسلام مگر نصاب نظامِ تعلیم ہر دور کی ضرورتوں کے مطابق اختیار کئے گئے۔ تعلیم درحقیقت وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر کسی قوم وسماج کی علمی وفکری زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے اگر یہ وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں تو قوم وتمدن کے زوال کا سبب بن جاتی ہے چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں آج صدیوں سے مسلمانوں کی ذہنی ترقی کو جس چیز نے روک رکھا ہے اس کا ذمہ دار صرف اور صرف نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم ہے (رسالہ الندوہ ھر) کیونکہ نصابِ تعلیم کا رابطہ اس زندگی سے جو ہر وقت رواں دواں ہے اور ہر آن تغیر پزیر ہے حیاتِ انسانی کی جملہ ترقیاں موقوف ہیں صحیح نصاب ونظامِ تعلیم پر اس کی حیثیت طبیب کے نسخہ کی سی ہے جو مریض کی حالت، اسکے مزاج، موسم، آب وہوا کو سامنے رکھ کر ایک تناسب سے دواؤں کو انتخاب کرتا ہے درسِ نظامی کے سلسلہ میں دو باتیں ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے ایک یہ ہے کہ نصابِ تعلیم ہمارا کبھی بھی دینی وروحانی

نصاب نہیں تھا بلکہ یہ درحقیقت مسلم دورِ حکومت کا عصری و درباری نصابِ تعلیم تھا اسلئے اس میں پوری توجہ عصری و درباری علوم فلسفہ، منطق، علمِ کلام ریاضی وغیرہ پر بھی تھی فقہ وغیرہ پر اس وجہ سے توجہ ہوگئی تھی کہ مسلم دور میں قاضی و محتسب بننے کے لئے اس کی ضرورت تھی دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ برِصغیر کے نصابِ تعلیم کا خمیر تنزل کے خمیر سے ہے نہ کہ ترقی کے خمیر سے چھٹی صدی ھجری میں تاتاریوں کی یلغار خلافت کے خاتمہ، اور بغداد کے قتل عام کے بعد عالمگیر اثر مسلمانوں کے دماغی و ذہنی حالت پر پڑا جس نے علوم اسلامی کو زوال پزیر کردیا غرض ہمارے نصابِ تعلیم کے خمیر میں تنزل و زوال کا مواد موجود ہے کیونکہ اس کا بیشتر حصہ ساتویں صدی ھجری کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اس دور کا مزاج و ذوق قرآن وسنت کے بجائے فلسفہ ومعقولات نے تیار کیا تھا چنانچہ محدث شہیر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں مدارس عربیہ میں اسوقت جو نصاب رائج ہے حدیث وفقہ کی کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد وہ زیادہ تر ساتویں صدی ھجری اور اسکے بعد کے قرون کی یادگار ہے جب صحیح معنی میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا کتاب کی عبارت پر کاغذ کم خرچ کیا گیا اور اسکے حل پر دماغ زیادہ خرچ کیا گیا یہ دماغی عیاشی نہیں تو کیا ہے یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ ہے جس سے علوم اسلامی اور معارف کو بڑا نقصان پہنچا (مہانامہ الفرقان ۱۹۷۵) برِصغیر کے نصابِ تعلیم کا جائزہ لیتے وقت یہ نقطہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب کبھی برصغیر میں علم سمندری راستہ سے حجاز مقدس سے براہِ راست آیا تو صحیح اسلامی علوم یعنی حدیث و فقہ رائج ہوئے جیسے مغلوں نے پہلے گجرات میں علامہ طاہر پٹنیؒ شیخ علی متقیؒ کے دور میں ہوا اور جب کبھی علم خشکی کے راستہ سے آیا تو یونانی وایرانی فلسفوں، منطق، معقولات کا غلبہ رہا اگر معقولات وفلسفہ کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا ان علوم کا شروع ہی سے شیعیت سے خاص تعلق رہا ہے نویں صدی ھجری ایران و ہندوستان میں علمی وفکری اور ذہنی انتشار کی صدی ہے اس دور میں ایران میں شیعیت کے ذریعہ فلسفہ ومعقولات نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں۔

برِصغیر کے نصابِ تعلیم میں معقولات کے غلبہ کی تاریخ:

برصغیر میں سب سے پہلے سکندر لودھی کے دور میں ملتان کے ملا عبداللہ تلبنی کے زریعہ فلسفہ، معقولات نصابِ تعلیم کا حصہ بنیں جنھوں نے ایران جاکر فلسفہ حکمت اور منطق کی تعلیم حاصل کی تھی سکندر لودھی نے انھیں ملک العلماء کا خطاب دے کر قدر افزائی کی لیکن ہمارے نصابِ تعلیم پر معقولات اور فلسفہ کا مکمل غلبہ دورِ اکبری میں ہوا جب مشہور رافضی عالم میر فتح اللہ شیرازی معقولات کا پورا دفتر لیکر ہندوستان پہنچے جنہیں اکبر نے صدر جہاں اور امین الملک کا خطاب دیکر راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ وزارتِ مالیات میں شریک کر کے علماء کا سرتاج بنادیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایران ہر دور میں ان علوم وافکار کی آماجگاہ رہا ہے جو مقصدِ نبوت کے متضاد تھے شاید یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ فتح ایران کے بعد فرمایا کرتے تھے کاش ہمارے اور ایران کے درمیان آگ کا دریا حائل ہوتا اس کے بعد تو درسِ نظامی معقولات کا پلندہ بن کے رہ گیا۔ بقول مولانا مناظر حسن گیلانیؒ "درسِ نظامی میں دینیات کی صرف تین

کتب تھی۔ جلالین، مشکواۃ اور ھدایا وشرح وقایا میں ایک سے عبادات دوسری دوسری سے معاملات اور عصری و درباری علوم کی ۴۰ سے ۵۰ کتب باقی درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین سھالوی اسی فرنگی محل خاندان کے ایک فرد تھے۔ جس کی کل کائینات فلسفہ، معقولات رہی ہے آپ کا سلسلہ تعلیم ۴ پشتوں کے بعد میر فتح اللہ شیرازی سے جاملتا ہے۔ غرض درس نظامی میر فتح اللہ کی ایرانی شراب کے خمخانہ سے لبریز ہے ملا نظام الدین سھالوی کی زندگی بھر کا اصل میدان علم، معقولات و فلسفہ رہا ہے جیسا کہ آپ کی تصانیف اور شاگردوں سے ظاہر ہے۔ تصانیف جیسے شرح مسلم الثبوت، صحیح صادق، شرح منار حاشیہ صدرا شمس بازغہ حاشیہ برحاشیہ قدیمہ اور شاگرد جیسے علامہ بحرالعلوم ملا عبدالعلی ملا کمال ملا حسن وغیرہ مولانا ابوالکلام آزاد نے آج سے تقریباً ۶۲ سال پہلے ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو اسی لکھنو میں علماء کی ایک مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ آپ کی تعلیم کا زیادہ حصہ ان چیزوں پر مشتمل ہے جیسے عام بول چال میں معقولات سے تعبیر کیا جاتا ہے آپ مدرسوں میں جن چیزوں کو معقولات کے نام سے پڑھا رہے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں ۔جن سے دنیا کا دماغی کارواں ۲۰۰ برس پہلے گزر چکا ہے آج اس کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے یہ سب بیکار ہے سوائے اسکے کہ اس سے دماغ کو بیکار کریں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا۔ آج میں علمائے کرام کے مجمع سے وہی کہنا چاہتا ہوں جو مولانا ابوالکلام آزاد نے ۶۲ سال پہلے کہا تھا'' کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کریں جسے دنیا نے ڈیڑھ سو سال پہلے تسلیم کرلی تھی اگر سو سال پہلے ہم نے تبدیلی نہیں کی تو کم از کم یہ تبدیلی ہم کو ۵۰ برس پہلے کرلینی چاہئے تھی آپ عصری تقاضوں سے نظریں چرا کر وقت سے لڑ رہے ہیں اس کشمکش کی عمر بڑھ سکتی ہے لیکن آخر میں قدامت پسندی کو ہار ماننی ہی پڑیگی کیونکہ آپ وقت سے نہیں لڑ سکتے''

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم میں معقولات و یونانی فلسفہ اس دور کی عصری ضروریات کے تحت ہی داخل نصاب کئے گئے تھے جب ان علوم کے حاملین نے اسلام اور اسلامی تعلیمات پر اعتراضات اور سوالات کھڑے کئے تب امام غزالیؒ اور امام رازیؒ ابن تیمیہؒ نے یونانی علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر کے انکی بنیادوں پر تیشے چلائے انکا رعب ختم کیا اور جوابات دیئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں ہی ان علوم کی اثر پزیری ختم ہوئی تو انھیں نصاب تعلیم سے خارج ہوجانا چاہئے تھا مگر ان باطل افکار وفلسفوں سے بعض علماء کو ایسی دلچسپی وشغف ہوا جیسے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا سے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دینی جامعات میں آج تک وہی جوابات دہرائے جارہے ہیں جو اسوقت غزالیؒ رازیؒ اور ابن تیمیہؒ نے دیئے تھے۔ جب کہ یہ سوالات چار سو سال پہلے ختم ہو چکے ہیں اور جدید فکر وفلسفہ نے آج اسلام پر جو سوالات اٹھائے ہیں جو چیلنجز سامنے رکھے ہیں علماء کو ان سوالات ہی کا پتہ نہیں جواب تو دور کی بات ہے قدیم نصاب تعلیم کے تمام غالی حامی اکثر فرمایا کرتے ہیں حضرت مدنیؒ مولانا عثمانیؒ محدث شہیر مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ نے بھی یہی تعلیمی نصاب پڑھ کر علمی کمال وشہرت حاصل کی تھی۔ مگر یہ سخت

مغالطہ ہے درسِ نظامی کی تربیت سے پہلے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں اجلّہ علم اور اساتذہ فنون گزرے ہیں جن میں درسِ نظامی کے بانی ومرتب بھی شامل ہے کیا انھوں نے بھی درسِ نظامی پڑھکر ہی علمی کمالات حاصل کئے تھے حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ دماغی وذھنی صلاحیتوں کے افراد کے لئے کسی خاص نصاب کی ضرورت نہیں رہتی ایسے افراد ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں جبکہ نصابِ تعلیم اکثر طلبہء کی ضروریات وصلاحیت کو سامنے رکھ کر تیار کرنا ہوتا ہے۔قدیم نصابِ تعلیم پر ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے کہ بقول مفتی اعظم پاکستانی مفتی محمد شفیعؒ کے آزادی کے بعد ہمارے دینی مدارس اور خانقاہیں بانجھ ہوتی جارہی ہیں درسِ نظامی کے نصاب مین ۷۰ تا ۸۰ فیصد حصّہ اس دور کے عصری ومغربی علوم کا ہی ہے جواب فرسودہ اور بیکار ہو چکے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یونانی علوم اگر چہ اسلامی نہیں مگر علوم الیہ کے طور پر داخل نصاب ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج کے جدید فلسفہ وسائنس وتاریخ ،جغرافیہ، کمپیوٹر اور انگریزی کو علوم الیہ کے طور پر داخلِ نصاب نہ کیا جائے۔

آج کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ دورِ نبوتؐ سے لیکر ۱۸۵۷ تک نصابِ تعلیم میں دینی وعصری تعلیم کی وحدت کی طرف لوٹا جائے دینی وعصری علوم کے فاصلے کم از کم کئے جائیں درسِ نظامی میں خالص دینیات پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے تفسیر کی کل کائنات جلالین ہے جو گویا قرآن کا لفظی ترجمہ ہے یا بیضاوی کے چند رکوع جو قرونِ وسطیٰ کے فلسفانہ پسِ منظر میں لکھی گئی تھی یہی حال حدیث کا ہے آخری سال میں نصف درجن احادیث کی کتب کا اس طرح رواروی میں دورہ کرادیا جاتا ہے طلبہ کی اکثریت احادیث کے زخیرہ سے یوں گزر جاتی ہے جیسے کوئی شخص نیم خوابی کی حالت میں اونگھتے ہوئے کسی باغ سے گزر جائے اور پھر بیان کرتا پھرے کہ میں نے یہ دیکھا وہ دیکھا یہی حال فقہ کی تعلیم کا ہے ہم نے بعض فروعی مسائل میں حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان میدان مناظرہ ومجادلہ قائم کر رکھا ہے اس طرز کو محدث شہیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے عمر ضائع کردینے سے تعبیر کیا ہے جس طرح متقدمین نے اس زمانے کے فلسفہ وعلمِ کلام کی روشنی میں اسلام کے مابعد الطبیعی اعتقادات کو ثابت کیا تھا۔ہم پر فرض ہے کہ موجودہ دور کے فکر وفلسفہ کی روشنی میں اسلام کے اثبات کا یہ کام کر کے جدید علمِ کلام مدوّن کریں۔

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

آپ اپنے موقر مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں

editor_alhaq@yahoo.com